ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2957

Program: BS

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: اسلام کا قانون جنائی (2957) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ تخصص شریعہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (بوٹ: 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ اس گائیڈ میں حدود، قصاص، تعزیر، ارتداد اور بغاوت جیسے موضوعات صرف تعلیمی اور فقہی مطالعے کے طور پر بیان کیے گئے ہیں؛ کسی فرد یا معاملے پر کسی سزا یا حکم کا اطلاق طلبہ کا کام نہیں، یہ اختیار مستند علماء، اہلِ افتاء اور ریاست کی مجاز عدالتوں اور اداروں کا ہے۔

سوال نمبر 1: اشاعتِ فاحشی کا سدباب — اسلامی تعلیمات، قانونی اقدامات اور معاشرتی اصلاح (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ اشاعتِ فاحشی کے سدباب کے لیے اسلامی تعلیمات، قانونی اقدامات اور ان کی عملی تطبیق پر تفصیلی گفتگو کریں۔ مزید یہ بیان کریں کہ یہ قوانین معاشرتی اصلاح میں کیسے کردار ادا کرتے ہیں؟ (20)

تعارف

اشاعتِ فاحشی سے مراد معاشرے میں بے حیائی، فحش گفتگو، فحش تحریر، فحش مناظر اور اخلاق سوز مواد کو پھیلانا اور اسے عام کرنا ہے۔ اسلام اسے محض ایک فرد کی ذاتی لغزش نہیں سمجھتا بلکہ اسے ایک اجتماعی بیماری قرار دیتا ہے، کیونکہ جب برائی چھپی ہوئی رہتی ہے تو اس کے اثرات محدود رہتے ہیں، لیکن جب وہی برائی اشاعت پا کر عام ہو جاتی ہے تو شرم و حیا کی دیواریں گرنے لگتی ہیں، نوجوان نسل کے ذہن متاثر ہوتے ہیں، خاندانی نظام کمزور ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ پورا معاشرہ اخلاقی انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے فاحشہ کی اشاعت کو پسند کرنے والوں کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے اور مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور زینت و بناؤ سنگھار کی بے جا نمائش سے بچیں۔ اس سوال میں پہلے فاحشی اور اس کی اشاعت کا مفہوم واضح کیا جائے گا، پھر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کے سدباب کے اصول بیان ہوں گے، اس کے بعد قانونی اقدامات اور ان کی عملی حدود کا جائزہ لیا جائے گا اور آخر میں یہ بتایا جائے گا کہ یہ تعلیمات اور قوانین معاشرتی اصلاح میں کس طرح کردار ادا کرتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی قانون کا مقصد صرف سزا دینا نہیں بلکہ جرم کے اسباب ختم کر کے ایک پاکیزہ معاشرہ قائم کرنا ہے، اس لیے سدباب کے معاملے میں اسلام سزا سے پہلے تربیت، نصیحت اور ماحول کی اصلاح کو اہمیت دیتا ہے۔

فاحشی اور اشاعتِ فاحشی کا مفہوم

فقہاء نے فاحشہ سے مراد ہر وہ قول و فعل لیا ہے جو فطرتِ سلیمہ اور شریعت کی نظر میں حد درجہ قبیح ہو، خواہ اس کا تعلق زنا اور اس کے مقدمات سے ہو، بد نظری سے ہو، بے پردگی اور عریانی سے ہو، یا فحش کلامی اور گندی گفتگو سے ہو۔ اشاعت کا مطلب اسے پھیلانا ہے، یعنی کتاب، رسالے، تصویروں، فلموں، ڈراموں، اشتہارات، سوشل میڈیا، انٹرنیٹ اور موبائل فون کے ذریعے ایسا مواد عام کرنا جس سے حیاء ختم ہو اور برائی کی طرف رغبت بڑھے۔ قدیم دور میں اشاعت کے ذرائع محدود تھے، لیکن موجودہ دور میں ایک کلک کے ساتھ فحش مواد لاکھوں افراد تک پہنچ جاتا ہے، اس لیے اس جرم کی سنگینی اور اس کے سدباب کی ضرورت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔ اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ

اشاعتِ فاحشی خود فاحشہ سے بعض صورتوں میں بڑا گناہ ہے، کیونکہ مرتکبِ فاحشہ اپنی ذات کو نقصان پہنچاتا ہے جبکہ ناشرِ فاحشہ پوری نسل کو بگاڑنے کا سبب بنتا ہے۔ اسلام نے اسی لیے گناہ کے اظہار اور اس پر فخر کو بھی ناپسند کیا ہے اور ستر و پردے کو پسند فرمایا ہے، تاکہ معاشرے میں برائی کی ہوا نہ چلے اور نیکی کا وقار قائم رہے۔

قرآن و سنت کی روشنی میں اسلامی تعلیمات

اسلامی تعلیمات کا پہلا اور بنیادی اصول ایمان و تقویٰ کی تربیت ہے۔ جب دل میں اللہ کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس زندہ ہوتا ہے تو انسان تنہائی میں بھی برائی سے بچتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نگاہوں کی خیانت اور دلوں کی چھپی باتوں کو اللہ جانتا ہے۔ دوسرا اصول حیا کی تعلیم ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو ایمان کی شاخ قرار دیا ہے، اور یہی حیا انسان کو فحش مواد دیکھنے، بنانے اور پھیلانے تینوں سے روکتی ہے۔ تیسرا اصول نظر اور پردے کا نظام ہے: مومن مردوں اور عورتوں دونوں کو نگاہ نیچی رکھنے، پردے کا اہتمام کرنے اور نامحرموں کے ساتھ اختلاط و خلوت سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے، تاکہ جرم تک لے جانے والے راستے ہی بند ہو جائیں۔ چوتھا اصول نکاح کی ترغیب اور اس کی آسانی ہے، کیونکہ جب حلال راستہ آسان ہوتا ہے تو حرام کی طلب کم ہو جاتی ہے؛ اسی لیے نوجوانوں کو روزے اور نکاح کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ پانچواں اصول گناہ کی پردہ پوشی اور اشاعت کی ممانعت ہے: جو شخص کسی عیب کو دیکھے اسے پھیلانے کے بجائے چھپائے اور اصلاح کی کوشش کرے، کیونکہ عیب کی تشہیر سے بے حیائی کو فروغ ملتا ہے۔ چھٹا اصول امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے، یعنی گھر، تعلیمی ادارے، مسجد، میڈیا اور ریاست سب اپنے دائرے میں نیکی کی دعوت اور برائی کی روک تھام کریں، مگر حکمت، نرمی اور قانون کے دائرے میں رہ کر۔

سدباب کے قانونی اقدامات: حدود، تعزیر اور احتیاطی تدابیر

قانونی سطح پر اسلام نے فاحشی سے متعلق جرائم کو مختلف درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ جہاں جرم زنا کی حد کو پہنچے اور شرعی شرائط و ثبوت مکمل ہوں وہاں حد کا قانون سامنے آتا ہے، اور جہاں زنا کا الزام ثبوت کے بغیر لگایا جائے وہاں حدِ قذف ہے، تاکہ لوگوں کی عزتوں پر کیچڑ اچھالنا اور فاحشہ کی بے بنیاد تشہیر کرنا بند ہو۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ قذف کی سزا خود اشاعتِ فاحشی کے سدباب کا ایک بڑا ذریعہ ہے، کیونکہ اس سے معاشرہ افواہوں، الزام تراشی اور کردار کشی سے محفوظ رہتا ہے۔ جہاں حد کی شرائط پوری نہ ہوں یا جرم حد

سے کم درجے کا ہو، جیسے فحش مواد بنانا، بیچنا، اپ لوڈ کرنا یا عوامی مقامات پر بے حیائی پھیلانا، وہاں تعزیر کا دروازہ کھلتا ہے اور قاضی و ریاست جرم کی نوعیت، مرتکب کی حالت اور معاشرتی نقصان دیکھ کر تنبیہ، جرمانے، قید یا دیگر مناسب قانونی سزا تجویز کر سکتے ہیں۔ تاہم یہ اختیار کسی فرد کو حاصل نہیں کہ وہ خود سزا دے؛ سزا کا نفاذ صرف مجاز عدالت اور ریاست کا حق ہے، اور ثبوت و صفائی کا پورا موقع دیے بغیر کوئی سزا جائز نہیں۔ احتیاطی تدابیر میں فحش مطبوعات و نشریات پر پابندی، اشتہارات کا اخلاقی ضابطہ، تعلیمی اداروں کے گرد ماحول کی نگرانی اور انٹرنیٹ پر غیر اخلاقی مواد کی روک تھام کے قانونی و تکنیکی انتظامات شامل ہیں، لیکن یہ سب آئین، قانون اور بنیادی حقوق کی حدود میں رہ کر ہونا چاہیے۔

جدول: اشاعتِ فاحشی کے سدباب کے تین درجے

مقصد	ذرائع	درجہ
دل میں برائی سے نفرت اور خوفِ خدا پیدا کرنا	ایمان و تقویٰ، حیا، پردہ و نگاہ کی حفاظت، انکار کی آسانی	تربیتی و اخلاقی
جرم کے اسباب اور مواقع ختم کرنا	خاندان و اساتذہ کی نگرانی، امر بالمعروف، میڈیا کا ضابطۂ اخلاق	سماجی و احتیاطی
عزتوں کی حفاظت اور ناشرینِ فحش کی سرزنش	حدِ قذف، ضرورتاً تعزیری کارروائی بذریعہ عدالت	قانونی و تعزیری

عملی تطبیق: گھر سے ریاست تک ذمہ داریاں

عملی تطبیق کا آغاز گھر سے ہوتا ہے۔ والدین بچوں کی صحبت، دوستوں، موبائل اور انٹرنیٹ کے استعمال پر محبت بھری نگرانی رکھیں، خود فحش گفتگو اور بے حیائی کے مناظر سے بچیں، کیونکہ بچے نصیحت سے زیادہ عمل سے سیکھتے ہیں۔ دوسرا مرحلہ تعلیمی اداروں کا ہے، جہاں نصاب میں اخلاقی تعلیم، اساتذہ کا کردار اور پاکیزہ ماحول طالب علم کو مضبوط بناتا

ہے۔ تیسرا مرحلہ مسجد، علماء اور میڈیا کا ہے، جو وعظ و نصیحت، مثبت پروگراموں اور مفید مواد کے فروغ سے معاشرے کے ذوق کو بدل سکتے ہیں؛ میڈیا اگر درجہ بندی، خاندانی اقدار اور اشتہاری اخلاقیات کا لحاظ رکھے تو اشاعتِ فاحشی کی بڑی لہر رک سکتی ہے۔ چوتھا مرحلہ ریاست و قانون نافذ کرنے والے اداروں کا ہے، جن پر لازم ہے کہ وہ فحش مواد کی تجارت اور منظم اشاعت کے خلاف شفاف اور غیر جانبدار کارروائی کریں، مگر اظہار کی جائز آزادی، صحافت اور فن کے نام پر ہونے والی بحث کو بھی قانونی دائرے میں سنیں، تاکہ اصلاح کے نام پر ناانصافی نہ ہو۔ پانچواں مرحلہ عدلیہ کا ہے، جو سخت ثبوت، منصفانہ سماعت اور شبہ کی صورت میں حد ساقط ہونے کے اصول پر عمل کر کے قانون کی ساکھ قائم رکھتی ہے۔ اس طرح جب گھر، ادارہ، میڈیا اور ریاست ایک ہی سمت میں چلیں تو اصلاح کتابوں سے نکل کر زندگی میں اثر دکھاتا ہے۔

یہ قوانین معاشرتی اصلاح میں کیسے کردار ادا کرتے ہیں؟

معاشرتی اصلاح میں ان تعلیمات و قوانین کا پہلا کردار خاندان کا تحفظ ہے، کیونکہ فاحشی کی اشاعت میاں بیوی کے اعتماد کو توڑتی، طلاق و خلع کے اسباب بڑھاتی اور بچوں کو بے راہ روی کی طرف لے جاتی ہے؛ حیا و پردے کا نظام خاندان کو اس ٹوٹ پھوٹ سے بچاتا ہے۔ دوسرا کردار نسل و عزت کی حفاظت ہے، جو مقاصدِ شریعت میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے؛ جب الزام تراشی پر قذف اور بے حیائی کی اشاعت پر تعزیری روک ہو تو عزتیں محفوظ رہتی ہیں۔ تیسرا کردار نوجوانوں کی ذہنی و جسمانی صحت کی حفاظت ہے، کیونکہ فحش مواد کی لت توجہ، تعلیم، عبادت اور کردار سب کو تباہ کرتی ہے، جبکہ پاکیزہ ماحول نوجوان کی توانائی کو تعلیم، کھیل اور خدمت میں لگاتا ہے۔ چوتھا کردار اعتماد و امن کا قیام ہے: جس معاشرے میں عورتیں، بچے اور کمزور طبقات خود کو محفوظ سمجھیں وہاں کاروبار، تعلیم اور سماجی زندگی ترقی کرتی ہے۔ پانچواں کردار یہ ہے کہ اسلام سزا کو آخری درجہ رکھ کر توبہ، اصلاح اور پردہ پوشی کا دروازہ کھلا رکھتا ہے، اس لیے مجرم کو معاشرے کا مستقل دشمن بنانے کے بجائے اس کی اصلاح کی راہ بھی باقی رہتی ہے۔ یوں یہ نظام محض پابندیوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک متوازن اصلاحی پروگرام ہے۔

نتیجہ وخلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اشاعتِ فاحشی کے سدباب کے لیے اسلام ایک جامع حکمتِ عملی دیتا ہے: اندر سے ایمان، حیا اور تقویٰ کی تربیت؛ باہر سے پردے، نگاہ، نکاح اور ماحول کی احتیاطی تدابیر؛ اور آخری درجے میں عدالت کے ذریعے حد قذف و تعزیر کا منصفانہ نفاذ۔ یہ قوانین معاشرتی اصلاح میں اس لیے مؤثر ہیں کہ یہ جرم کی جڑ یعنی بے حیائی کے ذوق اور برائی کی تشہیر کو ختم کرتے ہیں، خاندان و عزت کی حفاظت کرتے ہیں اور توبہ و اصلاح کا راستہ بھی بند نہیں کرتے۔ آج کے ڈیجیٹل دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ والدین، اساتذہ، علماء، میڈیا اور ریاست قانون کی حدود میں رہتے ہوئے اپنا اپنا کردار ادا کریں، اور طالب علم یہ یاد رکھے کہ کسی بھی فرد پر سزا کا اطلاق اس کا ذاتی اختیار نہیں بلکہ مستند علماء کی رہنمائی اور مجاز عدالتوں کا کام ہے۔ اسی توازن سے ایک پاکیزہ، پرامن اور باعزت معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

سوال نمبر2: جرم سرقہ — تعریف، ارکان، شرائطِ سزا اور حفاظتی اصول (20 نمبر)

سوال نمبر2۔ سرقہ کے جرم کی تعریف، اس کے ارکان اور شرعی سزاؤں کی شرائط کو واضح کریں۔ مزید یہ وضاحت کریں کہ اسلامی قانون میں اس جرم کے سدباب کے لیے کون سے حفاظتی اصول موجود ہیں؟ (20)

تعارف

سرقہ یعنی چوری مال کی حفاظت سے متعلق وہ مشہور جرم ہے جس کی حد قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اسلامی قانون نے مال کو انسان کی بنیادی ضروریات میں شمار کیا ہے اور مقاصدِ شریعت میں حفاظتِ مال کو دین، جان، عقل اور نسل کی حفاظت کے ساتھ رکھا ہے، کیونکہ مال ہی سے زندگی کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، خاندان چلتا ہے اور معاشرہ مستحکم رہتا ہے۔ اگر چوری عام ہو جائے تو لوگوں کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے، تجارت ٹھپ ہو جاتی ہے، کمزور کا مال طاقتور یا چالاک کے ہاتھوں لٹتا ہے اور معاشرے میں بدامنی پھیلتی ہے۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر شریعت نے سرقہ پر سخت حد مقرر کی، لیکن ساتھ ہی اس حد کے نفاذ کے لیے اتنی کڑی شرائط رکھیں کہ یہ سزا صرف اسی صورت میں لگے جب جرم ہر شبے سے پاک ہو کر یقینی طور پر ثابت ہو۔ یہی توازن اسلامی قانون کی امتیازی شان ہے: ایک طرف مال کی حفاظت کی فولادی دیوار، دوسری طرف

ملزم کے تحفظ کے لیے نصاب، حرز، شبے اور ضرورت جیسی حفاظتی شرائط۔ اس جواب میں پہلے سرقہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف، پھر اس کے ارکان، پھر سزا اور اس کی شرائط اور آخر میں سدباب کے حفاظتی اصول اور حکمت بیان کی جائے گی۔ یہ بحث خالص تعلیمی ہے؛ کسی واقعی معاملے میں حد کا فیصلہ مجاز عدالت ہی شرعی ثبوت دیکھ کر کر سکتی ہے۔

سرقہ کی تعریف

لغت میں سرقہ کا مطلب کسی چیز کو چھپا کر آہستہ سے لے لینا ہے۔ فقہی اصطلاح میں سرقہ سے مراد یہ ہے کہ ایک مکلف اور ہوش مند شخص کسی دوسرے کے محفوظ رکھے ہوئے مال کو، جو نصاب کی مقدار کو پہنچتا ہو اور جس میں اس کا کوئی حق یا شبۂ حق نہ ہو، چھپ کر اس ارادے سے اٹھالے کہ اسے اپنا بنالے۔ اس تعریف کے ہر جز کی ایک قانونی اہمیت ہے: مکلف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نابالغ بچہ اور مجنون حد کے مخاطب نہیں؛ چھپ کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ اعلانیہ لوٹنا یا ڈاکہ ڈالنا سرقہ نہیں بلکہ حرابہ کے قریب جرم ہے؛ محفوظ جگہ سے لینے کو حرز کہتے ہیں؛ اور نصاب سے مراد مال کی وہ کم سے کم مقدار ہے جس سے کم پر حد نہیں آتی۔ اسی طرح امانت میں خیانت، غصب، دھوکے سے مال لینا اور جیب کاٹنے کی مختلف صورتیں فقہ میں ایک دوسرے سے الگ بحث رکھتی ہیں، کیونکہ اسلام میں سزا کا انحصار جرم کی درست قانونی تعیین پر ہے، محض عوامی غصے یا شبے پر نہیں۔ طالب علم کو تعریف کے یہ اجزاء الگ الگ یاد رکھنے چاہئیں، کیونکہ آگے بیان ہونے والے ارکان و شرائط انہی اجزاء کی تفصیل ہیں۔

جرمِ سرقہ کے ارکان

فقہاء نے سرقہ کے بنیادی ارکان عام طور پر چار بیان کیے ہیں۔ پہلا رکن سارق یعنی چوری کرنے والا ہے، جو عاقل، بالغ اور مختار ہو؛ مجبوری، نشے کی بے ہوشی یا نابالغی کی صورت میں حد کا حکم بدل جاتا ہے، البتہ مال واپس کرنا یا تعزیری و تربیتی کارروائی الگ بحث ہے۔ دوسرا رکن مسروق یعنی چوری کیا گیا مال ہے، جو متقوم ہو، یعنی شرعاً جائز اور قابلِ قیمت مال ہو، نصاب کو پہنچتا ہو، کسی کی ملکیت ہو اور سارق کا اس میں کوئی حق نہ ہو۔ تیسرا رکن حرز یعنی محفوظ مقام ہے، جیسے بند گھر، دکان، الماری یا وہ جگہ جہاں عرفاً مال محفوظ رکھا جاتا ہے؛ سڑک پر پڑی بے حفاظت چیز اٹھانے اور حرز توڑ کر مال نکالنے میں فرق رکھا گیا ہے۔ چوتھا رکن فعلِ سرقہ ہے، یعنی مال کو حرز سے نکال کر اپنی تحویل میں لے لینا؛

صرف نیت کرنا یا کوشش کرنا اس حد کے لیے کافی نہیں، البتہ کوشش پر تعزیری کارروائی ہو سکتی ہے۔ بعض فقہاء ثبوت کو بھی عملی رکن کی حیثیت دیتے ہیں، یعنی اقرار یا دو عادل مرد گواہوں کی گواہی کے بغیر حد ثابت نہیں ہوتی، اور اقرار سے رجوع کرنے پر حد ساقط ہونے کی بحث بھی اسی حفاظت کا حصہ ہے۔

جدول: جرمِ سرقہ کے ارکان اور شرائط کا خلاصہ

عنصر	مطلب	حفاظتی پہلو
سارق	عاقل، بالغ، مختار مکلف شخص	نابالغ و مجنون پر حد نہیں
مسروق مال	متقوم، ملکِ غیر، نصاب کو پہنچا ہوا	نصاب سے کم پر حد نہیں
حرز	عرفاً محفوظ جگہ سے مال نکالنا	بے حرز مال پر حد میں نرمی / اختلاف
شبہ کا نہ ہونا	ملکیت یا حق کا کوئی شبہ نہ ہو	شبہ پڑتے ہی حد ساقط
ثبوت	اقرار یا شرعی گواہی	محض شک پر سزا نہیں

شرعی سزا اور اس کی شرائط

قرآن مجید میں چور مرد اور چور عورت کے لیے ہاتھ کاٹنے کی حد بیان ہوئی ہے اور اسے ان کے عمل کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا قرار دیا گیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ جو توبہ کر لے اور اصلاح کر لے اس کے لیے اللہ غفور و رحیم ہے۔ فقہاء نے اس حد کے نفاذ کے لیے درج ذیل شرائط کو تفصیل سے بیان کیا ہے: اول، سارق کا مکلف اور مختار ہونا۔ دوم، مال کا نصاب کو پہنچنا؛ نصاب کی مقدار میں فقہی اختلاف مشہور ہے، حنفیہ کے نزدیک دس درہم اور جمہور کے نزدیک اس سے مختلف مقدار بیان ہوتی ہے، اس لیے نصاب کی تعیین میں کورس کی کتاب اور متعلقہ مسلک کی تفصیل دیکھنی چاہیے، یہاں مقدار کو حتمی تنازع کے طور پر پیش کرنا مقصود نہیں۔ سوم، مال کا حرز میں ہونا اور اس کا وہاں سے نکالا جانا۔ چہارم، مال میں سارق کے حق یا ملکیت کا کوئی شبہ نہ ہونا؛ جیسے باپ بیٹے کے مال، شریک کے مشترکہ مال یا بیت المال کے مال میں بعض صورتوں میں

شبے کی بحث آتی ہے۔ پنجم، ضرورت و اضطرار کا نہ ہونا؛ قحط یا جان بچانے کی مجبوری کی صورت میں حد کے نفاذ میں فقہاء نے بہت احتیاط کی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ قحط کے واقعے کو اسی تناظر میں ذکر کیا جاتا ہے۔ ششم، جرم کا اقرار یا شرعی گواہی سے ثابت ہونا اور مالک کا مطالبہ کرنا۔ جب ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے، البتہ مال کی واپسی اور حسبِ حال تعزیری کارروائی باقی رہ سکتی ہے۔

سدباب کے حفاظتی اصول

اسلامی قانون میں سرقہ کے سدباب کے حفاظتی اصول دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو جرم کو سزا سے بچانے کے لیے احتیاط کے طور پر رکھے گئے ہیں، اور دوسرے وہ جو معاشرے کو جرم سے بچانے کے لیے ہیں۔ پہلی قسم میں سب سے مشہور اصول یہ ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں؛ جہاں ملکیت، نصاب، حرز یا ثبوت میں معقول شبہ ہو وہاں حد نہیں لگتی۔ اسی طرح اقرار کرنے والے کو رجوع کا موقع، گواہوں کی عدالت و ضبط کی شرائط، اور مالک کی طرف سے معافی یا صلح کی بعض صورتوں کا لحاظ بھی ملزم کے تحفظ کے لیے ہے۔ دوسری قسم کے اصول معاشرتی ہیں: اسلام زکاۃ، صدقات اور کفالتِ عامہ کے نظام سے فربہت و بھوک جیسی ان وجوہ کو کم کرتا ہے جو چوری پر اکساتی ہیں؛ ریاست پر لازم قرار دیتا ہے کہ وہ روزگار، انصاف اور بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے کی کوشش کرے؛ مال کی حفاظت، گھروں و دکانوں کی سلامتی اور بازاروں کی نگرانی کو انتظامی فرض بتاتا ہے؛ اور تربیت کے ذریعے امانت داری و دیانت کو فروغ دیتا ہے۔ یوں اسلامی نظام صرف چور کو سزا دے کر مطمئن نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ معاشرہ خود چور پیدا تو نہیں کر رہا۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ حدِ سرقہ کی سختی اس معاشرے کے لیے ہے جہاں عدل، کفالت اور روزگار کا نظام قائم ہو۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ سرقہ مکلف شخص کا نصاب کو پہنچا ہوا مال حرز سے چھپ کر بلا حق لے لینا ہے، اس کے ارکان سارق، مال، حرز اور فعلِ اخذ ہیں، اور اس کی حد قرآن سے ثابت ہے مگر اس کے نفاذ کے لیے نصاب، حرز، عدمِ شبہ، عدمِ اضطرار اور شرعی ثبوت جیسی کڑی شرائط ہیں۔ حفاظتی اصولوں نے اس قانون کو ظلم سے بچایا ہے اور سدباب کی تدابیر

نے اسے محض سزا کے بجائے ایک سماجی اصلاحی نظام بنا دیا ہے۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ حد کی بات کرتے ہوئے شرائط کو ہرگز نظر انداز نہ کرے اور کسی واقعی واقعے پر خود فیصلہ کرنے کے بجائے معاملہ مستند علماء اور مجاز عدالت پر چھوڑے، کیونکہ اسلامی قانون میں احتیاط ہی انصاف کی بنیاد ہے۔

سوال نمبر 3۔ حرابہ اور بغاوت — نوعیت، فرق، سزاؤں کا موازنہ اور معاشرتی اثرات (20 نمبر)

سوال نمبر 3۔ حرابہ اور بغاوت کے جرائم کی نوعیت، ان کے درمیان فرق اور اسلامی قانون میں ان کی سزاؤں کا موازنہ کریں۔ نیز ان جرائم کے معاشرتی اثرات کا جائزہ بھی پیش کریں۔ (20)

تعارف

حرابہ اور بغاوت اسلامی فوجداری قانون کے وہ دو سنگین جرائم ہیں جن کا تعلق فرد کے بجائے پورے معاشرے کے امن سے ہے۔ حرابہ سے مراد اسلحے کے زور پر راستے روکنا، مسافروں کو لوٹنا، قتل و خوف پھیلانا اور فساد فی الارض کی کیفیت پیدا کرنا ہے، جبکہ بغاوت سے مراد مسلمان حکمران یا قائم شدہ جائز نظام کے خلاف مسلح خروج اور اس کی اطاعت سے نکل کر جنگ کی صورت پیدا کرنا ہے۔ دونوں میں اسلحہ، اجتماعی قوت اور امنِ عامہ کی تباہی مشترک ہے، اسی لیے اکثر طلبہ ان میں خلط کر دیتے ہیں، حالانکہ فقہاء نے ان کی نیت، ہدف، شرائط، سزا اور توبہ کے اثرات میں واضح فرق رکھا ہے۔ حرابے کا محرک عموماً مال لوٹنا، قتل کرنا اور دہشت پھیلانا ہوتا ہے اور اس کا نشانہ عام شہری و مسافر بنتے ہیں، جبکہ باغی کا دعویٰ عموماً کسی تاویل یا سیاسی اختلاف کا ہوتا ہے اور اس کا مقابلہ ریاست سے ہوتا ہے۔ اس جواب میں پہلے دونوں جرائم کی نوعیت و تعریف، پھر ان کا تفصیلی فرق، پھر سزاؤں کا موازنہ اور آخر میں معاشرتی اثرات کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔ یہ تمام بحث تعلیمی ہے؛ کسی گروہ کو باغی یا محارب قرار دینا اور اس پر سزا کا اطلاق ریاست اور مجاز عدالتوں کا کام ہے، افراد یا گروہوں کا نہیں۔

حرابہ کی نوعیت وتعریف

حرابہ، جسے قطع الطریق بھی کہا جاتا ہے، یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اسلحے اور قوت کے بل پر آبادی سے دور یا ایسی جگہ جہاں مدد نہ پہنچ سکے، لوگوں کے راستے روکے، ان کا مال چھینے، انہیں قتل کرے یا ان میں ایسا خوف پیدا کرے کہ نقل و حرکت رک جائے۔ قرآن مجید نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے اور زمین میں فساد پھیلانے والوں کی سزا سورۃ المائدہ میں بیان فرمائی ہے، جس سے اس جرم کی سنگینی ظاہر ہوتی ہے۔ فقہاء کے درمیان اس بات میں بحث ہے کہ حرابہ صرف صحرا و سفر میں ہوتی ہے یا شہر کے اندر مسلح ڈکیتی و دہشت گردی بھی اسی حکم میں داخل ہو سکتی ہے؛ جمہور کا رجحان یہ ہے کہ اصل علت امن کا خاتمہ اور مدد کا نہ پہنچنا ہے، اس لیے صورت کے مطابق حکم لگتا ہے۔ حرابے میں مجرم کی کوئی شرعی تاویل نہیں ہوتی، اس کا مقصد لوٹ مار اور فساد ہوتا ہے، اس لیے اسے عام چوری سے کہیں بڑا جرم مانا گیا ہے۔ جدید دور میں ہائی وے ڈکیتی، مسلح لوٹ مار اور منظم دہشت گردی کی بعض صورتیں اسی عنوان کے تحت بطور مطالعہ زیرِ بحث آتی ہیں، تاہم حتمی قانونی تعیین ہر واقعے کے حقائق دیکھ کر عدالت کرتی ہے۔

بغاوت کی نوعیت وتعریف

بغاوت یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک باقوت گروہ کسی تاویل کی بنیاد پر جائز حکمران کے خلاف نکل کھڑا ہو، اس کی اطاعت ترک کر دے اور مسلح مقابلے کی طاقت رکھتا ہو۔ فقہاء نے باغی کے لیے تین باتیں نمایاں کی ہیں: شوکت یعنی جنگی قوت و تنظیم، تاویل یعنی کوئی دینی یا سیاسی وجہ جسے وہ اپنے خروج کی بنیاد بنائے، اور خروج یعنی عملاً حکمران کی اطاعت سے نکل کر مقابلہ۔ جس گروہ میں تاویل نہ ہو اور مقصد صرف لوٹ مار ہو وہ باغی نہیں بلکہ محارب یا ڈاکو کہلائے گا، اور جو صرف زبانی اختلاف کرے، تنقید کرے یا پرامن رائے رکھے وہ باغی ہرگز نہیں، کیونکہ اختلافِ رائے اور بغاوت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ باغیوں کے بارے میں قرآن مجید نے سورۃ الحجرات میں یہ رہنمائی دی ہے کہ اگر مومنوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان میں صلح کراؤ، اور جو گروہ زیادتی کرے اس سے اس وقت تک قتال کیا جائے جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ نہ آئے، پھر عدل کے ساتھ صلح کرائی جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باغیوں سے مقابلے کا مقصد انہیں ختم کرنا نہیں بلکہ بغاوت ختم کر کے انہیں نظام میں واپس لانا ہے۔

جدول: حرابہ اور بغاوت کا تقابلی موازنہ

پہلو	حرابہ	بغاوت
مقصد	لوٹ مار، قتل و دہشت، فساد فی الارض	تاویل کی بنیاد پر حکمران سے مسلح خروج
نشانہ	عام شہری، مسافر، امنِ عامہ	ریاست و حکمران
تاویل	کوئی شرعی تاویل نہیں ہوتی	تاویل کا ہونا فقہی شرط ہے
سزا کی نوعیت	آیتِ حرابہ کے تحت درجہ بدرجہ مقرر حد	بغاوت ختم کرنے تک قتال؛ غنیمت و قید کے خاص احکام
توبہ / واپسی کا اثر	گرفتاری سے پہلے توبہ پر حد میں نرمی کی بحث؛ حقوق العباد باقی	لوٹ آنے پر مقابلہ ختم، صلح و عدل کی ہدایت
فرار / زخمی کا حکم	عام فوجداری کارروائی	بھاگتے و زخمی باغی کو قتل نہ کرنے کے فقہی احکام

سزاؤں کا موازنہ

حرابہ کی سزا قرآن میں جرم کی شدت کے درجے کے مطابق بیان ہوئی ہے اور فقہاء نے اسے اس طرح مرتب کیا ہے کہ جس نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اس کی سزا سب سے سخت ہے، جس نے صرف قتل کیا اس کی سزا اس سے مختلف ہے، جس نے صرف مال لوٹا اس کا حکم الگ ہے اور جس نے صرف خوف پھیلایا اور راستہ روکا اس کا حکم سب سے کم درجے کا ہے؛ اس درجہ بندی کی تفصیل میں فقہاء کے اقوال ہیں اور امام کو یا عدالت کو صورت کے مطابق مقرر دائرے میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بغاوت کی کوئی ایک مقرر حد نہیں ہے؛ باغیوں سے قتال ایک انتظامی و دفاعی کارروائی ہے جو بغاوت رکنے پر فوراً رک جاتی ہے۔ فقہِ بغاوت کے مشہور حفاظتی احکام یہ ہیں کہ باغیوں کے مال کو غنیمت نہیں بنایا جاتا، ان کے قیدیوں کو قتل نہیں کیا جاتا، بھاگتے ہوئے کا پیچھا اور زخمی کو ختم نہیں کیا جاتا، اور ان کے اہل و عیال کو قید یا لونڈی غلام نہیں بنایا جاتا، البتہ

بغاوت کے دوران کیے گئے قتل و نقصان کے ضمان اور قصاص کی تفصیلات میں فقہی بحث موجود ہے۔ یہ فرق ظاہر کرتا ہے کہ حرابہ خالص فساد ہے جبکہ بغاوت ایک سیاسی و تاویلی فتنہ ہے جس کا علاج قوت کے ساتھ ساتھ صلح، عدل اور واپسی کا دروازہ کھلا رکھنا بھی ہے۔ دونوں صورتوں میں سزا و قتال کا اختیار صرف ریاست کو ہے۔

معاشرتی اثرات کا جائزہ

معاشرتی اثرات کے اعتبار سے حرابہ سفر، تجارت اور روزمرہ زندگی کو فلوج کر دیتی ہے: راستے غیر محفوظ ہوں تو تاجر سفر چھوڑ دیتے ہیں، اشیاء کی ترسیل رکتی ہے، قیمتیں بڑھتی ہیں، سیاحت و تعلیم متاثر ہوتی ہے اور ہر شہری کے دل میں خوف بیٹھ جاتا ہے۔ قتل لوٹ کے واقعات خاندانوں کو یتیمی و بیوگی میں دھکیلتے ہیں اور بدلہ و انتقام کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ بغاوت کے اثرات اس سے بھی وسیع ہوتے ہیں: ملک خانہ جنگی میں تقسیم ہو تا ہے، فوج و عوام آمنے سامنے آتے ہیں، معیشت تباہ ہوتی ہے، بیرونی طاقتوں کو مداخلت کا موقع ملتا ہے اور نسلوں تک نفرت باقی رہتی ہے۔ فقہی نقطۂ نظر سے ان دونوں جرائم کے خلاف قانون کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ اختلاف کو پرامن دائرے میں رکھنے کی تعلیم دیتا ہے: تنقید، مشورے، عدالت اور آئینی طریقے کھلے ہیں، مگر اسلحہ اٹھا کر امن تباہ کرنا جائز نہیں۔ اسی لیے اصلاح کا راستہ یہ ہے کہ ریاست عدل و انصاف قائم کرے تاکہ بغاوت کی تاویلیں کمزور ہوں، شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کرے تاکہ حرابہ پنپ نہ سکے، اور علماء و تعلیمی ادارے نوجوانوں کو انتہا پسندی و تشدد سے بچا کر پرامن شہری بنائیں۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ حرابہ بلا تاویل لوٹ مار و دہشت کا جرم ہے جس کی مقرر و درجہ بدرجہ حد قرآن میں بیان ہوئی ہے، جبکہ بغاوت تاویل و شوکت کے ساتھ حکمران کے خلاف مسلح خروج ہے جس کا علاج بغاوت ختم ہونے تک محدود قتال، صلح اور عدل ہے اور جس میں باغیوں کے مال و قیدیوں کے بارے میں خاص حفاظتی احکام ہیں۔ دونوں جرائم امنِ عامہ و ریاستی استحکام کے لیے تباہ کن ہیں، اس لیے ان کا سدباب عدل، حفاظت، تعلیم اور قانون کی یکساں عملداری سے ہوتا ہے۔ کسی بھی گروہ پر ان عنوانات کا اطلاق اور سزا کا فیصلہ صرف ریاست اور مجاز عدالت کا اختیار ہے، اس اصول کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔

سوال نمبر 4: ارتداد — تعریف، اسباب، سزا پر فقہی آراء اور نفاذ کے اصول (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ اسلامی قانون میں ارتداد کی تعریف، اس کے اسباب اور اس کی سزا کے حوالے سے فقہی آراء کا تفصیلی جائزہ لیں۔ مزید یہ بیان کریں کہ اس قانون کے نفاذ میں کون سے اصول مدنظر رکھے جاتے ہیں؟ (20)

تعارف

ارتداد اسلامی قانون کی ان بحثوں میں سے ہے جن پر بہت احتیاط، علمی دیانت اور اصولی فہم کی ضرورت ہے، کیونکہ اس کا تعلق ایمان، آزادیِ ضمیر، ریاست اور فرد کے تعلق اور فقہاء کے اختلاف سے ایک ساتھ ہے۔ یہ جواب خالصتاً ایک تعلیمی و فقہی جائزہ ہے: اس میں ارتداد کی تعریف، اس کے اسباب اور سزا کے بارے میں کلاسیکی فقہی آراء کا خلاصہ پیش کیا جائے گا، لیکن کسی بھی زندہ فرد یا واقعی واقعے پر ارتداد کا حکم لگانا یا سزا تجویز کرنا نہ طالب علم کا کام ہے اور نہ اس گائیڈ کا مقصد۔ تاریخ میں بھی یہ اختیار ہمیشہ اہلِ علم کی تحقیق اور ریاست کی مجاز عدالت کے پاس رہا ہے، اور فقہاء نے تکفیر و ارتداد کے معاملے میں غیر معمولی احتیاط کی تلقین کی ہے، کیونکہ کسی مسلمان کو غلطی سے دائرۂ اسلام سے خارج کہہ دینا خود ایک سنگین غلطی ہے۔ اس جواب میں پہلے تعریف و شرائط، پھر اسباب، پھر سزا پر جمہور و دیگر آراء، پھر نفاذ کے اصول اور آخر میں خلاصہ پیش کیا جائے گا، اور جہاں اختلاف ہو گا وہاں دونوں جانب کی دلیل کا احترام کے ساتھ ذکر کیا جائے گا، تاکہ طالب علم فقہی ادب بھی سیکھے اور یک طرفہ جوش سے بھی بچے۔

ارتداد کی تعریف اور اس کے ثابت ہونے کی شرائط

لغت میں ارتداد کا مطلب لوٹ جانا اور پلٹنا ہے۔ فقہی اصطلاح میں ارتداد سے مراد یہ ہے کہ ایک عاقل و بالغ مسلمان اپنے اختیار و ارادے سے اسلام کو چھوڑ دے، خواہ صریح کفر کا اقرار کر کے، خواہ ایسا قول کہہ کر جو صریح کفر ہو، خواہ ایسا فعل کر کے جس سے اسلام کی ضروریات کا انکار لازم آئے۔ فقہاء نے اس کے ثابت ہونے کے لیے سخت شرائط رکھی ہیں: مرتد کہا جانے والا شخص عاقل ہو، بالغ ہو، ہوش و اختیار میں ہو، اسے اسلام کی حقیقت کا علم ہو، اور اس سے ایسا قول یا فعل صادر ہوا ہو جس میں کوئی تاویل یا احتمال باقی نہ ہو۔ بچے، مجنون، نشے میں بے ہوش اور مجبور کیے گئے شخص پر یہ حکم نہیں لگتا، کیونکہ قرآن نے جبر کے تحت زبان سے کلمۂ کفر کہنے والے مگر دل سے مطمئن مومن کو

معذور قرار دیا ہے۔ اسی طرح معلوماتِ دین میں سے ضروریاتِ دین یعنی وہ باتیں جن کا دین ہونا ہر مسلمان کو معلوم ہے، ان کے انکار اور عام اجتہادی مسائل میں اختلاف کے درمیان فقہاء نے واضح فرق رکھا ہے؛ کسی فقہی اختلاف یا گناہ کے ارتکاب کو ارتداد کہنا فقہاء کے نزدیک درست نہیں۔ یہ شرائط خود بتاتی ہیں کہ اس باب میں جلد بازی کی کوئی گنجائش نہیں۔

ارتداد کے اسباب

فقہی و سماجی مطالعے میں ارتداد کے اسباب کو کئی درجوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ پہلا سبب بہرالت دعلمی کمزوری ہے: جس شخص کو دین کی بنیادی تعلیمات ہی درست طور پر نہ ملی ہوں وہ شکوک و شبہات کا آسانی سے شکار ہو جاتا ہے، اس لیے علماء نے تعلیم و دعوت کو پہلا علاج قرار دیا ہے۔ دوسرا سبب شکوک و شبہات کا پھیلنا ہے، خاص طور پر وہ اعتراضات جن کا جواب نہ دیا جائے تو ذہن بگڑ تا ہے؛ اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے سوالات کا علمی و مدلل جواب دیں۔ تیسرا سبب اخلاقی و سماجی ماحول ہے: بری صحبت، خاندانی ٹوٹ پھوٹ اور دین داروں کے برے رویے بعض اوقات دین سے دوری کا سبب بن جاتے ہیں، اس لیے کردار کی اصلاح بھی اسباب کے علاج میں شامل ہے۔ چوتھا سبب دنیاوی مفادات، دباؤ یا لالچ ہے، جبکہ پانچواں سبب بعض تاریخی و سیاسی حالات میں جبر، جنگ اور ریاستی ٹکراؤ رہا ہے، کیونکہ کلاسیکی فقہی کتابوں میں ارتداد کی بحث اکثر اس صورت کے ساتھ جڑی رہی ہے جب دین چھوڑنے کے ساتھ ساتھ مسلح بغاوت و دشمن سے ملاپ بھی ہو۔ اسباب کی یہ فہرست اس لیے اہم ہے کہ فقہ و دعوت کا اصول ہے کہ حکم سے پہلے سبب کا علاج کیا جائے؛ شبہ علم سے، جہالت تعلیم سے اور سماجی شکایت عدل و حسنِ سلوک سے دور ہوتی ہے۔

سزا کے حوالے سے فقہی آراء کا جائزہ

کلاسیکی جمہور فقہاء، یعنی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے مشہور اقوال کے مطابق، دنیاوی سطح پر مرتد کے لیے، شرائط پوری ہونے اور توبہ کی مہلت کے بعد، قتل کی سزا بیان کی گئی ہے، اور وہ اس کی دلیل میں احادیث مثلاً دین بدلنے والے کے بارے میں وارد روایات اور صحابۂ کرام کے دور میں مرتدین و مانعینِ زکاۃ کے خلاف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کارروائی کو پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ سزا محض عقیدے کی تبدیلی پر نہیں بلکہ اس پورے تاریخی و قانونی تناظر میں دیکھی جاتی تھی جہاں ارتداد اکثر

ریاست سے بغاوت و جنگ کے ساتھ جڑا ہوتا تھا۔ حنفیہ کے نزدیک عورت مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا بلکہ اسے قید کر کے توبہ کی طرف بلایا جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ حکم میں علت و تناظر کا لحاظ موجود ہے۔ دوسری طرف بعض قدیم و جدید اہلِ علم نے یہ رائے بھی پیش کی ہے کہ قرآن مجید میں محض عقیدہ بدلنے پر کوئی دنیاوی سزا مقرر نہیں ہوئی، قرآن ارتداد پر آخرت کے عذاب کی وعید پر اکتفا کرتا ہے، اور دنیاوی کارروائی ان صورتوں سے خاص ہے جہاں ارتداد کے ساتھ بغاوت، فساد یا دشمن سے سازباز بھی ہو۔ اس رائے کے حاملین استدلال میں قرآن کی آزادیِ مذہب سے متعلق آیات اور تاریخی سیاق کو سامنے رکھتے ہیں۔ طالب علم کے لیے درست طریقہ یہ ہے کہ دونوں آراء کو ان کے دلائل کے ساتھ ایمان داری سے نقل کرے، کسی ایک رائے کو دوسرے پر تھوپے بغیر، اور عملی فیصلہ اہلِ افتاء و عدالت پر چھوڑے۔ اس گائیڈ میں کوئی حتمی فتویٰ نہیں دیا جا رہا۔

جدول: ارتداد کی سزا پر فقہی آراء کا خلاصہ

بنیادی استدلال	نمایاں حاملین (روایتی حوالہ)	رائے
احادیثِ ارتداد اور دورِ صحابہ کا تعامل؛ توبہ کی مہلت شرط	چاروں مشہور مکاتب کے جمہور	جمہور کلاسیکی رائے
مرد و عورت میں فرق؛ عورت کے لیے قتل کے بجائے قید و دعوتِ توبہ	حنفیہ	حنفی تفصیل
قرآن میں دنیاوی سزا کا عدمِ ذکر؛ کارروائی بغاوت و فساد والی صورت سے خاص	بعض قدیم و معاصر اہلِ علم	سیاقی / محدود رائے

نفاذ میں مدنظر رکھے جانے والے اصول

جب مجاز عدالت و اہلِ علم اس قانون کے کسی پہلو پر غور کرتے ہیں تو فقہی روایت میں درج ذیل اصول نمایاں ہیں۔ پہلا اصول یقین و احتیاط ہے: کسی کا ارتداد صرف اسی وقت زیرِ بحث آ سکتا ہے جب قول یا فعل صریح ہو اور اس میں کوئی معقول تاویل باقی نہ ہو؛ جس کلام میں ایمان کا کوئی احتمال بھی ہو اسے کفر پر محمول نہیں کیا جاتا، یہ فقہ کا مشہور احتیاطی قاعدہ ہے۔ دوسرا اصول استتابہ یعنی توبہ کی مہلت و دعوت ہے: جمہور کے نزدیک مرتد قرار دیے جانے والے کو مہلت دی جاتی ہے، اس کے شبہات دور کیے جاتے ہیں اور اسے اسلام کی طرف واپسی کی دعوت دی جاتی ہے، کیونکہ مقصد ہدایت ہے سزا نہیں۔ تیسرا اصول شبہ و جبر کا لحاظ ہے: اکراہ، جنون، نابالغی اور غلط فہمی کی صورتوں میں حکم ساقط یا مؤخر ہوتا ہے، اور حدود و سنگین احکام شبہات سے ٹل جاتے ہیں۔ چوتھا اصول اختیار کی تحدید ہے: یہ معاملہ افراد، ہجوم یا کسی غیر مجاز گروہ کے ہاتھ میں نہیں دیا جا سکتا؛ صرف ریاست کی عدالت مکمل ثبوت و سماعت کے بعد اور مستند علماء کی تحقیق کے ساتھ آگے بڑھ سکتی ہے، اور خود ساختہ کارروائی خود ایک جرم و فساد ہے۔ پانچواں اصول تناسب و سیاق ہے: اہلِ علم ارتدادِ محض اور بغاوت و فساد کے ساتھ جڑے ارتداد میں فرق کو ہمیشہ سامنے رکھتے ہیں۔ چھٹا اصول دعوت کو مقدم رکھنا ہے: تعلیم، شبہات کا ازالہ اور حسنِ اخلاق سے لوگوں کو دین میں ثابت قدم رکھنا سزا کی بحث سے پہلے آتا ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ ارتداد عاقل و بالغ مسلمان کا اختیار کے ساتھ اسلام سے صریح طور پر لوٹ جانا ہے، اس کے اسباب میں جہالت، شبہات، ماحول، مفادات اور سیاسی ٹکراؤ شامل ہو سکتے ہیں، سزا کے بارے میں جمہور کلاسیکی فقہاء کی مشہور رائے اور اس کے مقابل سیاقی و محدود رائے دونوں علمی دیانت کے ساتھ نقل کی جانی چاہئیں، اور نفاذ کے اصولوں میں یقین، احتیاط، توبہ کی مہلت، شبہ کا لحاظ اور اختیار صرف عدالت و اہلِ علم کے پاس ہونا مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ طالب علم اس بحث کو امتحانی مطالعے تک محدود رکھے، کسی شخص پر حکم لگانے سے مکمل پرہیز کرے اور اختلافی مسائل میں ادب و احتیاط کو اپنا شعار بنائے، کیونکہ یہی فقہ کی اصل روح ہے۔

سوال نمبر5: جرمِ بغاوت—شرعی حیثیت، انسداد کے طریقے اور ریاستی استحکام میں کردار (20نمبر)

سوال نمبر5۔بغاوت کے جرم کی شرعی حیثیت، اس کے انسداد کے طریقے اور ریاستی استحکام میں اس قانون کے کردار کو تفصیل سے بیان کریں۔(20)

تعارف

بغاوت کا مسئلہ اسلامی سیاسی فقہ کے حساس اور اہم ابواب میں سے ہے، کیونکہ اس کا ایک طرف تعلق حکمران کی اطاعت، عدل و انصاف اور شہریوں کے حقوق سے ہے اور دوسری طرف امن، اتحاد اور ریاستی استحکام سے۔ اسلام نے ایک طرف ظالم کی حمایت سے روکا ہے، مظلوم کی مدد کا حکم دیا ہے اور امر بالمعروف کا فریضہ رکھا ہے، اور دوسری طرف مسلح خروج، خانہ جنگی اور فتنے کو سخت ناپسند کیا ہے، کیونکہ خانہ جنگی میں نہ حق واضح رہتا ہے نہ انصاف قائم ہوتا ہے، بلکہ جان و مال اور دین سب کا نقصان ہوتا ہے۔ اسی توازن سے فقہِ بغاوت وجود میں آئی: حکمران پر عدل لازم، رعایا پر پرامن دائرے میں اصلاح کی کوشش لازم، اور کسی گروہ کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے کو اسلحے کے زور پر پوری قوم پر مسلط کرے۔ سوال نمبر تین میں بغاوت کا حرابے سے موازنہ کیا گیا تھا، جبکہ اس سوال میں بغاوت کی شرعی حیثیت، اس کے انسداد کے فقہی و انتظامی طریقے اور اس قانون کے ریاستی استحکام میں کردار کو مستقل تفصیل سے بیان کرنا مقصود ہے۔ پھر بھی واضح رہے کہ کسی واقعی گروہ کو باغی قرار دینا اس تعلیمی تحریر کا مقصد نہیں؛ یہ تعیین ریاست و عدالت اور اہلِ علم کا کام ہے۔

بغاوت کی شرعی حیثیت

فقہی تعریف کے مطابق باغی وہ مسلم گروہ ہے جو شوکت یعنی مسلح قوت رکھتا ہو، کسی تاویل کی بنیاد پر جائز حکمران کے خلاف خروج کرے اور عملاً اس کی اطاعت چھوڑ کر مقابلے پر آ جائے۔ سورۃ الحجرات کی آیت نے اس پورے باب کی بنیاد رکھی ہے، جس میں لڑنے والے دو مومن گروہوں کے درمیان صلح کرانے، زیادتی کرنے والے سے اس کے لوٹ آنے تک قتال کرنے اور پھر عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس آیت سے تین بڑے اصول نکلتے ہیں: اول، باغی گروہ کو مومن ہی کہا گیا ہے، یعنی سیاسی بغاوت کو فوراً کفر نہیں قرار دیا جاتا، جو انتہا پسندانہ تکفیر کے رویے کی نفی ہے۔ دوم، اصل مقصد قتال نہیں بلکہ صلح و واپسی ہے، قتال صرف بغاوت روکنے کی حد تک ہے۔

سوم، واپسی کے بعد فیصلہ عدل سے ہو گا، انتقام سے نہیں۔ فقہاء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں خوارج و دیگر گروہوں سے متعلق واقعات اور فقہی آثار سے احکام اخذ کیے ہیں، جن میں باغیوں سے متعلق نرم و حفاظتی رویہ نمایاں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فقہاء نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ بغاوت جائز ہونے کا کوئی عام لائسنس نہیں؛ مسلح خروج کی شرائط و مفاسد کو دیکھے بغیر اسے جائز کہنا خود فتنے کو دعوت دینا ہے، اور پر امن اختلاف، تنقید، مشورہ، عدالت سے رجوع اور آئینی جدوجہد بغاوت سے الگ چیزیں ہیں۔

باغیوں کے بارے میں حفاظتی فقہی احکام

فقہِ بغاوت کی سب سے قابلِ توجہ بات وہ حفاظتی احکام ہیں جو دشمن کے ساتھ جنگ سے بالکل مختلف ہیں۔ مشہور فقہی اصولوں کے مطابق باغیوں کا مال مالِ غنیمت نہیں بنتا، جو مال جنگ میں حاصل ہو وہ اصل مالکوں کو لوٹایا جاتا ہے؛ باغیوں کے قیدیوں کو قتل نہیں کیا جاتا؛ بھاگے ہوئے باغی کا پیچھا نہیں کیا جاتا اور زخمی کو ختم نہیں کیا جاتا، کیونکہ مقصد بغاوت کا زور توڑنا ہے، افراد کو مٹانا نہیں؛ باغیوں کے اہل و عیال کو لونڈی و غلام نہیں بنایا جاتا اور ان کی عورتوں و بچوں سے کوئی تعرض نہیں ہوتا؛ باغیوں کے زیرِ قبضہ علاقے میں ان کے کیے گئے بعض انتظامی فیصلوں اور قضا کو بعد میں کالعدم قرار دینے کے بجائے عوامی ضرورت کے تحت برقرار رکھنے کی بحث بھی فقہ میں موجود ہے، تاکہ عام لوگوں کی زندگی مفلوج نہ ہو؛ اور بغاوت کے دوران تلف ہوئے جان و مال کے ضمان میں بھی فقہاء نے مخصوص تفصیلات بیان کی ہیں۔ یہ احکام بتاتے ہیں کہ اسلامی قانون سیاسی مخالف کو خارجی دشمن نہیں سمجھتا بلکہ اسے اصلاح کے قابل شہری سمجھ کر اس کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ یہی نکتہ آج کے دور میں انسانی حقوق و شہری آزادیوں کی بحث کے ساتھ فقہ کے مکالمے کا ایک مضبوط نقطہ ہے۔

بغاوت کے انسداد کے طریقے

انسدادِ بغاوت کے فقہی و انتظامی طریقے درجہ بدرجہ ہیں اور طاقت ان میں آخری درجے پر آتی ہے۔ پہلا طریقہ اسباب کا خاتمہ ہے: حکمران عدل قائم کرے، مظالم و کرپشن کا خاتمہ کرے، عوام کی جائز شکایات سنے اور تقرر و وسائل میں انصاف کرے، کیونکہ جس ریاست میں انصاف ملتا ہو وہاں بغاوت کی تاویلیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ دوسرا طریقہ مکالمہ و صلح ہے: قرآن کی ہدایت کے مطابق ثالثی کمیٹی، علماء و عمائدین کے ذریعے فریقین کو بٹھا کر ان کی تاویل و شکایت سنی جائے اور جہاں غلطی ہو اس کی اصلاح کی جائے؛

اکثر فتنے بات چیت سے ختم ہو جاتے ہیں۔ تیسرا طریقہ دعوت و واپسی کا اعلان ہے: باغیوں کو عام معافی، امن کی ضمانت اور شریفانہ واپسی کی پیشکش کی جائے، تاکہ عام سپاہی و حامی لڑائی چھوڑ کر معمول کی زندگی میں لوٹ آئیں۔ چوتھا طریقہ قانونی و آئینی راستے کھلے رکھنا ہے: عدالتیں آزاد ہوں، اظہار و احتجاج کے پرامن ذرائع موجود ہوں، تاکہ اختلاف اسلحے کا رخ نہ کرے۔ پانچواں اور آخری طریقہ محدود و متناسب قوت ہے، جو صرف اس وقت اور اسی حد تک استعمال ہو جب بغاوت جاری ہو، اس میں بھی غیر جنگجوؤں، بچوں، عورتوں اور زخمیوں کی حفاظت اور واپسی پر فوری رو[illegible]لازم ہو۔ اس تدریج سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون کا مزاج اصلاحی ہے، انتقامی نہیں۔

ریاستی استحکام میں اس قانون کا کردار

بغاوت سے متعلق قانون ریاستی استحکام میں کئی طرح سے کردار ادا کرتا ہے۔ اول، یہ طاقت کے [illegible]دوں کا پرامن و آئینی راستہ مقرر کر کے یہ اصول قائم کرتا ہے کہ حکومت اسلحے سے نہیں بلکہ قانون و قبولیت سے بنتی و بدلتی ہے، جس سے ہر نوجوان و گروہ کو پیغام ملتا ہے کہ اسلحہ اٹھانا سیاست نہیں بلکہ جرم ہے۔ دوم، یہ حکمران کو بھی پابند کرتا ہے، کیونکہ فقہِ بغاوت میں حکمران کے عدل، شکایات کے ازالے اور واپسی پر عدل کے ساتھ فیصلے کی شرائط دراصل حکمرانی کے اخلاقی معیار ہیں؛ استحکام صرف طاقت سے نہیں بلکہ انصاف سے پائیدار ہوتا ہے۔ سوم، یہ خانہ جنگی کے نقصانات کو محدود کرتا ہے: قیدیوں، مال اور اہل و عیال کے حفاظتی احکام جنگ کے زخموں کو کم کرتے ہیں اور جنگ کے بعد قومی مفاہمت کو آسان بناتے ہیں، کیونکہ جس فریق کے ساتھ انتقامی سلوک نہ ہوا ہو وہ نظام میں واپس آنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ چہارم، یہ بیرونی مداخلت کے دروازے بند کرتا ہے، کیونکہ داخلی اتحاد ہی ریاست کی اصل دفاعی دیوار ہے۔ پنجم، یہ معیشت و تعلیم و ترقی کو تسلسل دیتا ہے، کیونکہ مستحکم ریاست ہی میں سرمایہ کاری، روزگار اور فلاحی منصوبے چل سکتے ہیں۔ پاکستانی تناظر میں اس کا سبق یہ ہے کہ آئین، عدالت، پارلیمان اور پرامن احتجاج کے راستے مضبوط کیے جائیں اور تشدد کی ہر شکل کی حوصلہ شکنی تعلیم و قانون دونوں سے کی جائے۔

نتیجہ وخلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ بغاوت تاویل وشوکت کے ساتھ مسلح خروج کا نام ہے، جس کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ اسے روکا جائے مگر روکنے میں بھی صلح، عدل اور باغیوں کے انسانی وشہری حقوق کی حفاظت مقدم رہے۔ اس کا انسداد عدل کے قیام کے ساتھ ممکن ہے، معافی وواپسی کی پیشکش اور آئینی راستے کھلے رکھنے سے ہوتا ہے اور محدود طاقت آخری تدبیر ہے۔ یہ قانون ریاستی استحکام کی بنیاد اس لیے ہے کہ یہ طاقت کو قانون کے تابع کرتا ہے، حکمران ورعایا دونوں کو پابند کرتا ہے اور فتنے کو مفاہمت میں بدلنے کا راستہ دیتا ہے۔ طالب علم کے لیے آخری نصیحت یہی ہے کہ اس حساس موضوع کو تعلیمی دائرے میں سمجھے، کسی گروہ پر خود حکم نہ لگائے اور ہر عملی معاملہ مستند علماء، آئین و قانون اور مجاز اداروں پر چھوڑے۔